© rasailojaraid.com

کرنا وغیرہ افعال کا ارتکاب تب ہی ممکن ہے جبکہ وہ بے پردہ ہوں؟ اگر عہدِ نبویؐ اور خلافتِ راشدہ میں پردہ کا رواج نہ تھا تو پھر آیتِ حجاب کا نزول ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے ملازم آتا ہے کہ اس مثالی عہد میں عیاذاً باللہ قرآنی احکام سے تساہل برتا جاتا تھا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ جو کچھ نازل ہوتا تھا سب سے پہلے آپ ہی اُس پر عمل پیرا ہوتے تھے "بحیثیت ایک عملی پیغمبر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ درحقیقت قرآنِ پاک کی عملی تفسیر ہے جو حکم آپ پر اتارا گیا، آپؐ نے خود اس کو کر کے بتایا۔۔۔ آپؐ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہی ہے کہ آپؐ نے بحیثیت ایک پیغمبر کے اپنے پیروؤں کو جو نصیحت فرمائی اُس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔"[۱]

"فقیہہ و محدث" محمد بن اسحٰق کا دیگر مستورات سے بھی روایات اخذ کرنا ثابت ہے کہ اُنھیں عورتوں سے گپ شپ کرنے کی عادت تھی جو ایک "فقیہہ و محدث" کے شایانِ شان بات نہ تھی۔ پروفیسر جوزف ہوروِٹس بیان کرتے ہیں کہ "وہ (محمد بن اسحٰق) مسجد کے پچھلے حصے میں عورتوں کے قریب جاکر بیٹھتے تھے۔ اُن کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ عورتوں سے گپ شپ کرتے ہیں، یہ معاملہ ہشام (اسمٰعیل ابن ہشام[۲] ہونا چاہیئے) تک پہنچا یا گیا وہ اُس وقت مدینہ کا گورنر تھا۔ ابنِ اسحاق کے بہت خوبصورت بال تھے۔ گورنر نے حکم دیا کہ اِن کا سر مونڈ دیا جائے علاوہ بریں کوڑے بھی لگوائے اور کہہ دیا کہ خبردار آئندہ

---

[۱] خطباتِ مدراس از مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۰۷ و ۱۱۰۔ طبع سوم ۱۹۵۸ء، سرورِ کائنات صلعم کی حیاتِ مبارکہ کے عملی پہلو کے لئے اس کتاب کے ص ۱۰۴ تا ۱۳۲ کا مطالعہ بھی کیا جائے۔

[۲] "ہشام ۸۲ سے ۸۶ھ تک مدینہ کا گورنر رہا تھا اور یہی ابنِ اسحاق کی پیدائش (تقریباً ۸۵ھ) کا زمانہ ہے۔ جبکہ یہ واقعہ ابنِ اسحاق کی عمر کے بیسٌ اور تیئسں سال کے درمیان کا ہے اور یہ زمانہ ۱۰۶ھ سے ۱۱۴ھ (باقی ص ۳۴۳ پر)۔

© rasailojaraid.com

"اس جگہ نہ بیٹھنا" احقر یہاں پر پروفیسر خورشید احمد فارق صاحب کے الفاظِ مستعار ہی میں عرض کرنا چاہے گا کہ "یہ شہادت اس بات کا وزنی ثبوت ہے کہ اموی معاشرہ میں پردہ ...... تھا ورنہ ابنِ اسحٰق کے خوبصورت بال منڈوانے، کوڑے لگوانے اور اُس جگہ آئندہ نہ بیٹھنے کی تحدید و تنبیہہ کی کیا ضرورت تھی؟ (جاری)

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۲) بیٹے اسمٰعیل کی گورنری کا ہے" ملاحظہ ہو "سیرۃ نبویؐ کی اوّلین کتابیں اور اُن کے مؤلفین" مترجمہ پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب ص ۱۱ -- ۱۱ نیز ص ۱۳۲ حاشیہ ۳۱۱

۵۳ ایضاً ص ۱۱۱ -

© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم

علمی تبحر، اعتدال اور فقہی توسّع کی حامل شخصیت

(حافظ صلاح الدین یوسف - ایڈیٹر "الاعتصام" لاہور)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر ماہنامہ "برہان" دہلی، جن کا انتقال رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ (مئی ۱۹۸۵ء) کو کراچی میں ہوا، برِ صغیر پاک و ہند کی ملّتِ اسلامیہ کے نامور عالم، بلند پایہ مصنف اور صاحبِ طرز ادیب و انشاپرداز تھے۔ ان کی علمی و دینی اور تدریسی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ وہ مدرسہ عالیہ کلکتہ، علی گڑھ یونیورسٹی دہلی کالج اور دیگر جگہوں پر مدرس اور لیکچرار بھی رہے۔ "صدیق اکبر"، "عثمان ذوالنورین"، "وحیِ الٰہی"، "فہم قرآن" اور "اسلام میں غلامی کی حقیقت" جیسی وقیع اور اہم کتابوں کے مصنف بھی ہیں اور پاک و ہند کے اہم علمی مجلہ "برہان" دہلی کے تقریباً نصف صدی سے مدیر چلے آ رہے تھے۔ اس کے علاوہ اسلامی اور بین الاقوامی اجتماعات میں بھی شریک ہوتے اور اپنے علمی مقالات اور فاضلانہ تقاریر سے اسلام کی نمائندگی اور ملّتِ اسلامیہ کی ترجمانی کا فریضہ بھی نہایت اخلاص اور دردمندی سے ادا کرتے رہے۔ اس لحاظ سے وہ بلا شبہ ایک متنوع اور بوقلموں شخصیت کے حامل تھے اور اپنی گوناگوں خدمات کی وجہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاک و ہند کی چند نمایاں ، ممتاز اور سر برآوردہ شخصیات میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ علمی خدمت کی وجہ سے ان کا حلقۂ تلامذہ و مستفیدین بھی کافی وسیع ہے اور علمی خصوصیات کی بنا پر اہل علم و فضل میں بھی خوب متعارف ہیں اور مجھ جیسے کئی ہیچمدان اور اُن کے خوان علم کے ریزہ چین بے شمار لوگ بھی ان سے عقیدت و ارادت کا تعلق رکھتے ہیں۔

یہ سب لوگ اپنے اپنے تعلق اور ارادت کے مطابق ان کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت اور ان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کریں گے جس سے یقیناً ان کی سیرت و شخصیت کے نقوش اُجاگر ہوں گے اور اُن کی متنوع خدمات کے گوشے واضح ہوں گے جو نسلِ نَو کے لئے دلیلِ راہ اور سنگ میل ثابت ہوں گے۔

راقم خاکسار بھی اُن کی شخصیت کے ایک پہلو پر روشنی ڈالنا چاہتا ہے۔ ایسا پہلو جو راقم کی نظر میں بڑی اہمیت رکھتا ہے اور شاید اس کی طرف کسی اور کی توجہ گرامی اس طریقے سے مبذول نہ ہو سکے جس کا وہ مستحق ہے۔ اور وہ پہلو ہے اختلافی مسائل اور فقہیات میں ان کا اعتدال و توازن، وسعت و رواداری اور فقہی جمود سے پاک ہونا۔

ہر شخص جانتا ہے کہ وہ دیوبند کے فاضل تھے اور آخر دم تک اس سے وابستہ رہے، لیکن اس کے باوجود وہ حقیقت میں اتنے متصلب اور غلو پسند کبھی نہ رہے جو حلقۂ دیوبند کے وابستگان کا بالعموم طرۂ امتیاز ہے۔ وہ بلا شبہ حنفی تھے اور حنفی رہے لیکن بہت سے مسائل میں انھوں نے حنفیت کے مقابلے میں نصوصِ قرآن و حدیث کو ترجیح دی اور بلا تامل مسلکی تعصب کو نظر انداز کر دیا۔

● جس طرح مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کا مسئلہ ہے، اس میں انھوں نے دلائل کی رُو سے حنفی فقہ کے مقابلے میں حافظ ابن القیم اور امام ابن تیمیہ کے مسلک کو ترجیح دی ہے جس کے عامل پاک و ہند کے اہلِ حدیث بھی ہیں۔ انھوں نے بہ دلائل اس امر پر زور دیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاقِ رجعی شمار کرنا چاہیے تاکہ حلالہ جیسے لعنتی فعل اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیگر معاشرتی خرابیوں سے بچا جاسکے مولانا مرحوم کا یہ فاضلانہ مقالہ ــــ ایک مجلس کی تین طلاق ــــ نامی کتاب[1] میں چھپا ہوا ہے اور اس قابل ہے کہ دیگر حنفی علماء بھی کھلے دل سے اس کا مطالعہ فرمائیں اور پورے اخلاص سے اس مسئلے کو اسی تناظر میں دیکھیں جس میں مولانا اکبر آبادی مرحوم نے دیکھا تھا۔

● فقہ حنفی کا ایک مشہور مسئلہ ہے کہ دار الحرب میں مسلمانوں کا کافروں سے سود لینا جائز ہے، مولانا اکبر آبادی ۱۹۶۴ء میں مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ کی کانفرنس میں تشریف لے گئے اور وہاں کے علمی مباحث میں حصہ لیا، جس کی مختصر روداد انھوں نے ماہنامہ "برہان" دہلی میں خود اپنے قلم سے لکھی تھی۔ اس کانفرنس میں بنک کے سود پر بڑی گرما گرم بحث ہوئی اس میں شیخ ابو زہرہ مرحوم نے بنک کے سود کی حرمت پر بڑی تند و دار تقریریں کیں لیکن شیخ نے فقہ حنفی کا مذکورہ مسئلہ بھی اپنی ایک تقریر میں ضمنی طور پر بیان فرما دیا اور کہا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حربی اور مسلم معاملہ میں ربوا نہیں ہے یعنی وہ جائز ہے مولانا اکبر آبادی مرحوم لکھتے ہیں:-

"اس سلسلے میں میں نے ایک مختصر تقریر کی اور اس میں کہا کہ اگر امام صاحب کی طرف اس قول کا انتساب صحیح ہے تو میری سمجھ میں بالکل نہیں آتا کہ جب قرآن میں وَحَرَّمَ الرِّبٰوا عام اور مطلق ہے تو کسی نص یا حدیث متواتر کے بغیر اس کی تخصیص اور تقلید کس طرح جائز اور درست ہو سکتی ہے؟ مزید وضاحت کرتے ہوئے میں نے کہا کہ ائمہ اور فقہاء اس بات میں اختلاف کر سکتے ہیں کہ فلاں معاملہ ربوٰا کے تحت میں آتا یا نہیں؟ لیکن اگر کسی معاملے

---

[1] یہ کتاب پہلے ہندوستان میں چھپی تھی، اس کے بعد لاہور پاکستان میں بھی چھپ گئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی نسبت یہ ثابت ہو جائے کہ ربوٰا کی تعریف اس پر صادق آتی ہے تو اب تو دنیا میں کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ وہ معاملہ جائز ہے۔" ("برہان" دہلی اگست ۱۹۶۵ء ص۱۱۱)

● اسی طرح حرمتِ مصاہرت اور طلاقِ مکرہ کا مسئلہ ہے جس میں مولانا اکبر آبادی مرحوم نے فقہ حنفی سے اختلاف کیا اور شوافع اور ائمہ ثلاثہ کی رائے کو ترجیح دی۔ چنانچہ مولانا نے ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن ایڈووکیٹ کی مرتبہ کتاب "مجموعۂ قوانینِ اسلام" کی جلد اوّل، دوم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ

"حرمتِ مصاہرت کے باب میں ہمارے نزدیک شوافع کا مسلک عملاً اقرب الی الصواب ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ غایتِ ورع اور تقویٰ کی بات ہے۔ اسی طرح طلاقِ مکرہ کے معاملے میں ائمہ ثلاثہ کی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔" ("برہان" دہلی۔ اکتوبر ۱۹۶۸ء صفحہ ۲۸۲)۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب موصوف کی اس کتاب کی بھی انھوں نے اسی لئے خوب تحسین کی کہ اگرچہ انھوں نے اکثر و بیشتر ائمہ احناف کا تتبع کیا اور اُن کی رائے کو ترجیح دی ہے لیکن متعدد مقامات ایسے بھی ہیں جہاں دوسرے ائمہ کی رائے کو اقرب الی الصواب یا یسر العمل قرار دیا ہے۔ (حوالۂ مذکور)۔

● اسی طرح "دیارِ غرب کے مشاہدات و تأثرات" میں مولانا مرحوم نے تسمیہ عند الذبح کے مسئلہ میں امام شافعی کے قول کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ اس کی تائید روایاتِ حدیث سے بھی ہوتی ہے (ملاحظہ ہو "برہان" دہلی۔ فروری ۱۹۶۴ء ص۱۱۴، ۱۱۵)

● عورتوں کا مساجد میں جا کر نماز پڑھنا وغیرہ بھی فقہ حنفی کی رو سے صحیح نہیں ہے چنانچہ ہندوستان کے ایک مسلم زنانہ کالج میں جب مسلمان خواتین کے نماز پڑھنے کے لئے وہاں ایک مسجد کا قیام عمل میں آیا تو بہت سے لوگوں نے اس پر شور مچایا اس سے متاثر ہو کر ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلفی عالم فاضل نے عورتوں کی امامت اور ان کے مساجد میں نماز پڑھنے وغیرہ پر ایک مضمون لکھ کر "برہان" میں اشاعت کے لئے بھیجا، جسے مولانا مرحوم نے نہ صرف شائع کیا بلکہ اس پر ذیل کا نوٹ بھی تحریر فرمایا:۔

"گزشتہ سال مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی نے مدراس کے ایک مسلم زنانہ کالج میں ایک نہایت شاندار مسجد کا افتتاح کیا تو بعض شورش پسندوں نے اس پر ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور دھوم دھام سے کہا کہ عورتوں کے لئے نہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کا حکم ہے اور نہ اُن کے لئے امامت اور خطبہ دینا جائز ہے۔ یہ ہنگامہ صرف زبانی جمع خرچ تک محدود نہیں رہا بلکہ اردو کے بعض ذمہ دار اخبارات میں اس نوع کی تحریریں بھی شائع ہوئی تھیں۔ اسی واقعہ سے متأثر ہو کر ہمارے فاضل دوست مولانا محمد یوسف صاحب (کوکن عمری) نے جو جنوبی ہند کے اکابر علماء میں سے ہیں، پیش نظر مقالہ میں اس موضوع پر مفصل اور بصیرت افروز بحث کی ہے جسے ہم شکریہ کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔" ("برہان" دہلی فروری ۱۹۶۷ء صفحہ ۹۹)۔

یہ مفصل اور فاضلانہ مقالہ جو "برہان" کے ۱۳ صفحات پر مشتمل ہے فقہ حنفی کے خلاف ہے لیکن مولانا نے اسے اپنے تائیدی نوٹ کے ساتھ شائع فرمایا۔

● اسی طرح اپنے مرض الموت میں وہ حنفی فقہ کے برخلاف جمع بین الصلاتین کا اہتمام فرماتے رہے۔ ("معارف" اعظم گڑھ، جون ۱۹۸۵ء)

اس مختصر مضمون میں استقصار مقصود نہیں ہے بلکہ چند نمونے پیش کی گئی ہیں۔ ان مثالوں سے بہر حال اُن کے اس طرز عمل کی وضاحت ہو جاتی ہے جو ہمارے اس مضمون کا موضوع اور مقصود ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا مرحوم کا فقہی مسلک ان کی اپنی تحریرات کے آئینے میں

چونکہ یہ طرزِ عمل کسی اضطراری تاثر یا وقتی ردِ عمل کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ ان کے اندر فقہی جمود کی بجائے جو توسع تھا۔ ان کی فکر و رائے میں جو اعتدال و توازن تھا اور ملتِ اسلامیہ کو درپیش عصری مسائل کے حل کے لئے وہ جو دلسوزی تاب اور جذبۂ صادق رکھتے تھے، مذکورہ طرزِ عمل اس کا مظہر تھا وہ بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ فقہی توسع اور رواداری اور کسی ایک فقہ پر جمود و اصرار کی بجائے تمام اسلامی فقہی سرمائے سے استفادہ کئے بغیر موجودہ دور کے گوناگوں اور پیچیدہ مسائل کا حل ممکن نہیں، اس لئے انھوں نے فقہی توسع کو بطور مسلک اپنایا اور برملا اس کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ وہ بنگلور (جنوبی ہند) کی ایک کانفرنس کی روداد لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے مسلم معاشرے میں پائے جانے والے رجحانات کا ذکر کیا، اس کا خلاصہ یہ تھا کہ رجحانات تین قسم کے ہیں۔

(۱) قدامت پرستی (ORTHODOXY)
(۲) ترقی پسندی (PROGRESSIVENESS)
(۳) آزاد فکری۔ (LIBERALISM)

اول الذکر کی خصوصیت یہ ہے کہ موجودہ زمانے کا خواہ کوئی مسئلہ یا کوئی معاملہ ہو، بہر حال اس کا حل کسی ایک خاص فقہی مسلک کی روشنی میں ہی تلاش کیا جائے۔ اور [illegible] اس [illegible] رکھا جائے۔

(۲) اس کے بالمقابل ترقی پسندی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اصل قانون قرآن و حدیث میں ہے، اور فقہی مسالک کی حیثیت اس قانون کی تشریح و توضیح کی ہے، وہ بجائے خود قانون نہیں ہے۔ مسائل جدیدہ کا حل اولاً براہِ راست قرآن و حدیث میں دیکھنا چاہئے اور اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[illegible] سے کام لینا چاہیے جو عدالت میں بحث کرتے وقت ایک وکیل نقطۂ نظر سے لیتا ہے۔

(۳) اب رہا تیسرا رجحان، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف قرآن کو حجت تسلیم کرتا ہے اور حدیث کو حجت نہیں مانتا، پھر اپنے لئے قرآن کی آزادانہ تعبیر و تفسیر و توضیح کا حق بھی مانتا ہے۔ میں نے کہا کہ میرا تعلق دوسرے طبقہ سے ہے اور یہی رجحان میرے نزدیک صحیح ہے۔"

(برہان دہلی۔ اکتوبر ۱۹۶۷ء، ص ۲۱۳)

● اسی طرح ایک اور موقع پر اپنے مسلک اور نقطۂ نظر کی وضاحت مولانا مرحوم اس طرح کرتے ہیں:۔

"راقم الحروف کا قصور اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ دیوبند کا فیض یافتہ "جمعیۃ العلماء کا ممبر" اور قدر دان ضرور ہے لیکن اپنے دل و دماغ کو ہمیشہ کھلا اور آزاد رکھتا ہے اور کبھی کسی مسئلے پر جماعتی عصبیت اور تحزّب کے ساتھ غور نہیں کرتا۔ اس بنا پر دار العلوم دیوبند ہو یا ندوہ، جمعیۃ العلماء ہو یا اسلامی جماعت، تبلیغی جماعت ہو یا دینی کونسل۔ ان سب اداروں کے اکابر اور کارکنوں کے خلوص، علم و فضل اور اسلامی حمیت و جوش کا دل سے معترف اور قدر دان ہے اور یہ جماعتیں جو کام کر رہی ہیں، ان کی اہمیت و افادیت کا منکر نہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان جماعتوں کی کسی رائے، کسی طریقِ کار اور یا کسی نظریے سے بھی اختلاف نہیں کر سکتا۔ ایماندارانہ اختلاف ہر انسان کا قدرتی حق ہے اور اسے یہ حق استعمال کرنا چاہیے۔ معاشرے کی شعوری صلاح و فلاح اسی پر موقوف ہے پھر میں جس طرح کسی جماعت کو بھی تنقید سے بالا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں جانتا اسی طرح کسی شخص واحد کو بھی، خواہ وہ دنیا کا کتنا ہی بڑا امام اور شیخ وقت ہو تنقید سے بالا نہیں مانتا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی جانتا ہوں کہ ارادت و عقیدت، ادب و احترام اور تنقید و اختلاف ان کے حدود کیا ہیں اور ان حدود میں رہ کر کس طرح ایک شخص دونوں کے مقتضیات و مطالبات سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔"

(برہان دہلی۔ نومبر ۱۹۶۲ء، ص۔ ۲۶۔ از نظرات)

تلفیق بین المذاہب کی حوصلہ افزائی

مولانا مرحوم کا یہی وہ مسلک توسع تھا جس کی وجہ سے وہ ہر اس دعوت و تحریک کی حوصلہ افزائی فرماتے، جس میں فقہی رواداری ہوتی اور اس کی بنیاد کسی ایک فقہ پر جمود کی بجائے بلا امتیاز تمام فقہی ذخیروں سے استفادے پر ہوتی۔ چنانچہ پاکستان میں ڈاکٹر اسرار احمد کی تنظیم اسلامی کی بھی انھوں نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف بھی اگرچہ حنفی ہی ہیں لیکن ان میں فقہی جمود بہر حال نہیں ہے۔ اور انھوں نے یہ دعوت و تحریک پیش کی ہے کہ فقہ حنفی کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری کو پانچویں فقہ شمار کر کے اجتہاد و استنباط کیا جائے۔ بنیادی طور پر اگرچہ یہ بات صحیح نہیں، اصولاً صحیح بخاری کو قرآنِ کریم کے بعد اور اولین حیثیت حاصل ہونی چاہیئے اور اس کی روشنی میں دیگر فقہوں سے استفادہ، جس طرح کہ خود مولانا اکبر آبادی کا نقطۂ نظر یہی تھا جیسا کہ ان کے اقتباسات سے ظاہر ہو چکا ہے۔ تاہم چونکہ ڈاکٹر صاحب کی اس دعوت میں بھی ایک گونہ توسع تھا، اس لئے اگرچہ بیشتر علمائے احناف نے ڈاکٹر صاحب کی دعوت و تحریک کو سخت فتنے اور گمراہی سے تعبیر کیا ہے لیکن مولانا اکبر آبادی نے ڈاکٹر صاحب کی تائید کی اور تلفیق بین المذاہب کو وقت کی ایک اہم ضرورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرار دیا چنانچہ مولانا مرحوم نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:۔

"ہمارے بعض متقدمین علماء نے تلفیق بین المذاہب کو استعمال کیا ہے اور اس کی ضرورت پر زور دیا ہے۔" (ماہنامہ میثاق لاہور، اگست ۱۹۸۵ء صفحہ ۱۴)

مولانا سے مزید سوال کیا گیا کہ "ہمارے بعض علماء تو اس تلفیق کو بہت بڑی گالی سمجھا کرتے ہیں۔ گویا کہ ان کے نزدیک (تو) یہ درجۂ کفر تک پہنچی ہوئی بات ہے۔"

مولانا مرحوم نے اس کے جواب میں فرمایا:۔

"ہمارے نزدیک تمام ائمہ فقہا میں سب برابر ہیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے (تلفیق بین المذاہب) کی ہے مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے کی ہے اور مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ تک نے کی ہے ..... اس (تلفیق) کے بغیر تو چارا ہے ہی نہیں۔ اس کے بغیر ایک صحیح اسلامی ریاست چل ہی نہیں سکتی۔"

(ماہنامہ میثاق لاہور، صفحہ ۱۴-۱۵، اگست ۱۹۸۵ء)

اسی انٹرویو میں مولانا مرحوم نے تبلیغی جماعت میں بڑھتے ہوئے تحزب اور اس لحاظ سے بعض بین الاقوامی شخصیات کی اس جماعت سے وابستگی پر اپنے دکھ اور تاسف کا بھی اظہار فرمایا ہے۔

علمائے احناف کے غلو فی الحنفیۃ پر سخت تنقید

مولانا اکبر آبادی مرحوم کے نزدیک فقہی اقوال و آراء کے مقابلے میں نصوص قرآن و حدیث کو جو برتری حاصل تھی، اس کی وجہ سے وہ اُن غالی حنفی علماء کی کاوشوں پر بھی سخت تنقید کرتے جن میں حنفیت کا دفاع ایسے انداز سے کیا گیا ہوتا جس سے نصوصِ شریعت کا تقدس مجروح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا یا اکابر محدثین کی بے توقیری ہوتی ہے۔ حدیث کی جمع و تدوین میں ان کی بے مثال محنت، کادخوں، وسعت نظر، اور غیر جانبدارانہ سعی و جہد پر حرف آتا۔ ذرا دیکھئے! ایسے بعض غالی علماء کی کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے انھوں نے حق و انصاف کے تقاضوں کو کس طرح ملحوظ رکھا ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی کی عربی کتاب "ما تمس الیه الحاجة لمن یطالع ابن ماجه" پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا اکبرآبادی مرحوم لکھتے ہیں:۔

"افسوس ہے کہ فاضل مصنف نے جگہ جگہ امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے مخالفین کی بحث اٹھا کر کتاب کو جدل و مناظرہ کا رنگ دے کر اس کی علمی حیثیت کو مجروح ہی نہیں کیا بلکہ خود حدیث کو معرض شک و ارتیاب میں لا کھڑا کیا ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض محدثین نے امام اعظم کے ساتھ سخت نا انصافی کی ہے لیکن اس کا جواب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ان محدثین پر اس طرح کے رکیک و سخیف حملے کئے جائیں جن سے ان کا کمال فن ہی داغ دار ہو جائے۔ اس سلسلے میں امام بخاریؒ، حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ذہبیؒ کی نسبت جو لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہے وہ حد درجہ قابل اعتراض ہے۔ حد یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے متعلق یہاں تک نقل کر دیا گیا ہے کہ وہ بر بنائے بغض و عناد امام ابوحنیفہ سے روایت نہیں کرتے، لیکن اس کے برخلاف ایسے مستور الحال لوگوں سے روایت کر دیتے ہیں جن کے متعلق بخاری جانتے بھی نہیں کہ کون تھا اور کون نہیں تھے؟ (صفحہ ۲) اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ جوشِ انتقام میں صحیح بخاری کے راویوں کی عدالت اور اس کی اُمت کی طرف سے تلقی بالقبول کو متکلم قرار دے دیا ہے۔ فاضل مصنف خود سوچیں کہ کیا یہ وہی باتیں نہیں ہیں جو منکرین حدیث کہتے ہیں اور کیا امام بخاری کی عدالت، ثقاہت، تقویٰ و طہارت اور ان کی صحیح کی صحت کو مجروح کر دینے کے بعد بھی کسی اور کتاب حدیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض متعصب حنفیہ نے بے جا طور پر امام بخاری، حافظ ابن حجر، ابن عدی اور حافظ ذہبی وغیرہم کے متعلق اس طرح کی باتیں ضرور لکھی ہیں لیکن ایک محقق کا فرض ہے کہ علمی امانت و دیانت کا سررشتہ کبھی ہاتھ سے نہ جانے دے اور غیظ و غضب میں کوئی بات ایسی نہ کہے جس سے دین کی اصل بنیاد ہی میں رخنہ پڑ جائے۔ اگر امام بخاری بھی روایت حدیث ایسے اہم معاملے میں شخصی رضامندی یا ناراضامندی کو دخل دینے سے محفوظ نہیں رہ سکتے تو پھر اس باب میں کسی اور پر کیوں کر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟"

(ماہنامہ برہان دہلی، فروری ۱۹۵۶ء، ص ۱۲۷-۱۲۸)۔

- اسی طرح ایک حنفی عالم نے حافظ ابن القیم کی کتاب "زاد المعاد" کا اردو ترجمہ جب اس انداز سے شائع کیا کہ حواشی میں جگہ بہ جگہ حنفیت کی پچ میں حافظ ابن القیم کی تردید کو انھوں نے ضروری سمجھا تو مولانا اکبر آبادی نے اس پر حسب ذیل الفاظ میں تبصرہ رقم فرمایا:-

"... ساتھ ہی کوئی چیز حنفی مسلک کے خلاف ہے تو اس کی تردید کر کے حنفی مسلک کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور گویا اس طرح انھوں نے خود اپنے بقول "کتاب کو حنفی" کر دیا ہے۔ (ص ۳) لیکن افسوس ہے اس سلسلے میں مصنف کے قلم کی تیز زبانی اور بے احتیاطی کا وہی عالم ہے جس کا شکوہ ہم اوپر کر چکے ہیں۔ چنانچہ ایک موقع پر رقم طراز ہیں "ابن قیم نے اس جگہ بے پر کا کوا بنا لیا ہے" (حصہ دوم ص ۲۲) یہ فقرہ صرف بطور نمونہ کے نقل کیا گیا ہے ورنہ یہ انداز بیان پوری کتاب میں پھیلا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں موصوف کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ بہرحال حنفی مسلک کی تائید اور اس کا پرچار کرنا

© rasailojaraid.com

نہ تعصب اور تنگ نظری کی۔"

(برہان دہلی، اپریل ۱۹۶۸ء، ص ۲۸۷)۔

• اسی طرح مولانا عبدالرشید نعمانی کی اردو کتاب "ابن ماجہ اور علم حدیث" پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

"مصنف کے مسلک حنفیت میں ان کے تشدد و غلو کے باعث ہر جگہ اتفاق کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔"

(برہان - دہلی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۳۸۳)

علمائے اہلِ حدیث کی اہمیت اور ان کی خدمات کا اعتراف

علمائے احناف بالعموم فقہی تعصب اور حزبی جانبداری کی وجہ سے علمائے اہلِ حدیث کی اہمیت و حیثیت کو بھی گھٹانے میں کوشاں رہتے ہیں اور ان کی علمی و دینی خدمات کے اعتراف میں بھی بڑا تامل اور بخل کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے برعکس مولانا اکبرآبادی مرحوم نے علمائے اہلِ حدیث کی حیثیت و اہمیت اور ان کی خدمات کا اعتراف بھی بڑی فراخ دلی سے کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"ہندوستان میں جماعتِ اہلِ حدیث کے علماء بھی بڑی اہمیت کے مالک رہے ہیں، اور خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کی شرعی حیثیت کے بارے میں ان علمائے اعلام کی آراء اس لئے اور بھی لائقِ توجہ ہے کہ اس جماعت نے ہی سب سے زیادہ سرگرمی اور جوش کے ساتھ حضرت سید احمد شہیدؒ کے زیرِ قیادت انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے میں حصہ لیا تھا اور اسی بنا پر انگریز انہیں بدنام کرنے کی غرض سے وہابی کہتے تھے۔"

(برہان - دہلی - اگست ۱۹۶۲ء، ص ۵، از "ہندوستان کی شرعی حیثیت")

© rasailojaraid.com